واجد علی
پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان
ڈاکٹر محمد خاور نوازش
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان
ڈاکٹر محمد ساجد خان
پروفیسر (ریٹائرڈ)، شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

سعادت سعید کی نظم گوئی : تجزیاتی مطالعہ

Wajid Ali
Ph.D Scholar Department of Urdu, BZU, Multan
Dr. Muhammad Khawar Nawazish
Associate Prof., Department of Urdu, BZU, Multan
Dr. Muhammad Sajid Khan
Prof. (Rtd.), Department of Urdu, BZU, Multan

Analytical Study of SaadatSaeed's Verse Writing

Dr. SaadatSaeed was born in Sahiwal but settled in Lahore for a long time. He is known as a scholar, critic and translator also but the most vibrant reference of his literary personality is poetry. In poetry, he preferred to write in the genre of free verse and prose verse. Five collections of SaadatSaeed's poems came to the fore, in which there is an inclination towards modernity in the early poems, and he made many experiments in the field of linguistic formations. He accepted the influence of IftikharJalib's movement in creating a new poetic language in the early times of creative writing. He has also been inclined towards existentialism. Although he did not write ideological poems like renowned progressive poets i.e. Majaz, SardarJaffery, Makhdoom&Jalib as he was never in favor of sloganeering in literature but he has always been representing deprived classes. As a progressive poet, his stance becomes clearer in last one decade. In this article, an analytical study of SaadatSaeed's poems is presented.

Key Words:*AllamaIqbal, women's education, Islamic teachings.*

دیگر شعری اصناف کی طرح اردو میں نظم نگاری کا آغاز بھی دکن سے ہوتا ہے۔ دکن میں غزل کے بعد نظم کے ابتدائی نقوش سامنے آتے ہیں۔ اس کی دو تین بنیادی وجوہات میں سے ایک تو یہ ہے کہ داستان گوئی اور قصہ کہانی سے انسان کے فطری شغف اور قدیم تر مناسبت نے نظم کی ہیئت یا صنف کو کہانی اور قصہ کے بیان کا وسیلہ بنایا تو صنف نظم "مثنوی" وجود میں آئی۔ دوسری طرف ایک طویل عرصہ تک دربار تک رسائی اور بادشاہت کی مدح سرائی کے لیے قصیدہ کی صنف مقبول و مرغوب بنی رہی۔ یوں نظم نے ارتقائی مراحل مثنوی اور قصیدہ کی اصناف کی صورت میں دکنی دور میں طے کیے۔ تبلیغی اور مذہبی مقاصد کے لیئے بھی نظم کو برتا گیا جس کا سب سے مضبوط اور توانا اظہار "مرثیہ" کی شکل میں سامنے آیا۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی کے مطابق:

> "ملاوجہی کی قطب مشتری، قلی قطب شاہ کی چھوٹی چھوٹی مثنویاں اور شمالی ہند میں صوفیا کی نظمیں، قطعات اور مثنویاں، شاہ حاتم کی مختصر مثنویاں، سودا کی ہجویات، میر تقی میر، میر حسن، مصحفی اور جرأت وغیرہ کی مثنویاں اور دوسری اصناف درحقیقت نظمیں ہیں۔" (1)

ڈاکٹر وزیر آغا نے قصیدہ کو بھی نظم شمار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دکنی نظم عام طور پر مثنوی، قصیدے اور مرثیے کے روپ میں ابھری۔(2) شمالی ہند میں مذکورہ اصناف کے ساتھ ساتھ شہر آشوب ہجو، واسوخت وغیرہ کے ذریعے نظم کی توسیع دیکھنے میں آئی مگر خالص نظم کا اظہار یہ ایک بڑے تخلیقی نابغہ نظیر اکبر آبادی کے ہاں سامنے آتا ہے۔ جہاں صرف موضوعات میں ہی تنوع نہیں پایا جاتا بلکہ اپنی ثقافت، تہذیب اور تمدنی متعلقات سے وابستگی نے اردو شاعری کو اس ڈکشن سے روشناس کرایا جس سے غزل محروم تھی۔ نظیر اکبر آبادی خالص نظم کا وہ اولین معمار تھا جس نے مروجہ اصناف سے ہٹ کر نئی شعری دنیا آباد کی۔

اردو نظم کا دوسرا دور ۱۸۵۷ء کے بعد نو آبادیاتی اثرات کے تحت "نیچرل شاعری" کی تحریک سے عبارت ہے۔ مولانا حالی نے مقدمہ شعر و شاعری میں بدلتے زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کے لئے اصلاحات تحریر کیں کہ کس طرح معیار سے گری ہوئی شاعری کو مہذب بنایا جا سکتا ہے۔ نیچرل شاعری سے ہوتے ہوئے مولانا حالی قومی شاعری کی طرف آتے ہیں اور شاعری کا قومی کردار تجویز کرتے ہیں۔

"حالی نے قومی شاعری کی کسوٹی میں سے یورپ اور براعظم میں بھی امتیاز کیا ہے۔
یورپ میں قومی شاعری ہے، اس لیے اتحادواتفاق ہے اور اردو میں قومی شاعری نہیں
اس لیے اتحاد نہیں۔"(3)

سرسید تحریک کے اثرات کے تحت شاعری کو اخلاق کی تہذیب و آراستگی اور قومی فلاح کے لے بروئے کار لانے کا رجحان اردو نظم میں مولانا حالی اور آزاد کے ذریعے داخل ہوا۔ مولانا حالی شاعری کے اخلاقی منصب پر اتنا زور دیتے ہیں کہ وہ شاعر سے زیادہ مبلغ اخلاق بن جاتے ہیں۔ حالی اس بات کے پرزور داعی ہیں کہ ہر قوم شعر سے اعلیٰ اخلاق سیکھ سکتی ہے اس شاعری سے ایسی تحریک، اصلاح کے بعد پیدا ہو سکتی ہے جو قوم کا اخلاق سنوارنے کے لیے مشعل راہ ہو۔ عقیل احمد صدیقی حالی کے نظریہ شعر کا تجزیہ کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ حالی قوم کے لیے پاک جذبات واحساسات رکھتے ہیں۔ اس طرح شاعری پاک جذبات سے مزین ہو کر ایک علم دین بن جائے کی جس کا کام قوم کی تربیت ہو گا اور یہ رویہ شاعر کو فنون لطیفہ، جمالیات اور تجزیہ کی آزادی سے دور تک اخلاقی مبلغ بنا دے گا۔(4) قومی شاعری کا نقطہ کمال اکبر الہ آبادی کے ہاں جبکہ مختصر علامہ اقبال کے ہاں کھل کر سامنے آتا ہے۔

اردو نظم کو آگے بڑھانے میں انجمن پنجاب کے "موضوعاتی مشاعروں" نے بہت کلیدی یا قائدانہ کردار ادا کیا۔ مقدمہ شعر و شاعری سے جو نیا ڈسکورس شروع ہوا تھا۔ انجمن پنجاب نے اس کی علمی صورت پذیری میں انتہائی فعال و متحرک کردار ادا کیا۔ اردو شاعری کے امراض کی جو تشخیص مولانا حالی کے مقدمہ شعر و شاعری میں ہوئی تھی۔ اس کی روشنی میں اردو شاعری کا قبلہ درست کیا گیا۔ نظم کیا ہے؟ کیسی ہونی چاہیے وقت کے تقاضے کیا ہیں۔ مواد، مقصد اور شاعری کا حاصل کیا ہے؟ ان موضوعات پر لیکچرز کا اہتمام کیا گیا۔ مولانا محمد حسین آزاد نے اپنے لیکچرز میں زور دیا کہ جس طرح ماضی میں ہمارے سلاطین اور بادشاہ اپنے انداز حکمرانی میں یکتا تھے۔ اسی طرح اس عہد میں ہمارے شعراء اور مصنف بھی اپنے ہنر میں بے مثل یکتا تھے۔ جس طرح بادشاہ اخلاقی حیثیت سے گرتے گئے اسی طرح شعراء نے بھی انفعالیت کا شکار ہو کر شاعری کو بھی اخلاق باختہ، رونے پیٹنے، حسرت گناہ، زمانے کی شکایت اور افراد کی خوشامد کا وسیلہ بنا دیا۔ شاعری کی خرابی دراصل مسلم حکمرانوں کے اخلاقی زوال کا نتیجہ ہے۔(5)

مولانا آزاد نے اسی صورت حال کا حل انگریزی ادب سے استفادے کی صورت تجویز کیا:

"نئے انداز کے خلعت وزیور جو آج کے مناسب حال ہیں، وہ انگریزی صندوقوں میں
بند ہیں اور ہمارے پہلوؤں میں دھرے ہیں اور ہمیں خبر نہیں۔ہاں صندوقوں کی کنجی
ہمارے ہم وطن انگریزوں کے پاس ہے۔" (6)

انجمن پنجاب کے تحت موضوعاتی مشاعروں سے نظم کہنے کی جو تربیت ہوئی، اس نے آگے چل کر اردو نظم کی دنیامیں نیادریچہ بنالیا۔ اسے محض نو آبادیاتی اثرات، کہہ کر نظر انداز نہیں کیاجاسکتا بلکہ یہ مرحلہ تو ہمارے شعراء کے "مغربی تعقل" سے آشنائی کا وسیلہ بنا۔ ان نظمیہ مشاعروں کا مقصد حالی کے مطابق اردو شاعری کو وسعت دینا تھا۔ حالی کا مقصد نظم نگاری کو مبالغہ سے نکال کر حقیقت پسندی اور حقائق نگاری سے آشنا کرنا تھا۔ (7)ایک طرف مولانا حالی اور محمد حسین آزاد اردو نظم کو فکری اور نظری سطح پر وسعت دے رہے تھے۔ دوسری طرف انجمن پنجاب کی اس تحریک کے فوراًبعد اسماعیل میرٹھی سامنے آتے ہیں اور اردو نظم میں ہیئت، نئی تکنیک، تنوع اور تجرباتی منہاج کے داعی بنتے ہیں۔

عبدالحلیم شرر نے نظم معری (Blank Verse) کو مسلسل فروغ دیا۔ ایک ڈراما بھی اسی ہئیت میں لکھنا شروع کیا جو اردوادب کی تاریخ کا ایک اہم تجربہ تھا۔ اگرچہ بوجوہ یہ ڈرامہ تکمیل پذیر نہ ہوسکا مگر ڈاکٹر حنیف کیفی اسے اردو کی "طویل ترین معری نظم" قرار دیتے ہیں۔ (8)خلیل الرحمٰن اعظمی، گیان چند اور عبادت بریلوی شرر کے اس منظوم ڈرامہ کو معراء نظم کے بجائے آزاد نظم شمار کرتے ہوئے عبدالحلیم شرر کو آزاد نظم کا موجد کہتے ہیں۔ (9)

نئی شاعری کے بنیاد گزاروں میں سعادت سعید ایک بہت اہم نام ہیں۔ مزاحمتی اور ترقی پسندانہ رویوں کے ساتھ ساتھ لسانی تشکیلات کی تحریک سے وابستگی ان کی نظموں کا مزاج متعین کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ان کا پہلا شعری مجموعہ "کجلی بن" لسانی تشکیلات کی تحریک سے جڑت کا غماز ہے۔ اس مجموعہ میں شامل نظمیں نئی شعری زبان کی تشکیل اور پرانی لسانی حرمتوں کی منسوخی سے عبارت ہیں۔ وہ زبان کے روایتی استعمال کو عینیت پرستی کا شاخسانہ قرار دیتے ہیں جو کہ عروض کی جبریت اور ناقابل تغیر روایات کی صورت فکروشعور پر قدغن لگانا ہے۔

"عینیت پسند شاعری اور عینیت پرست طبقے میں نہ صرف حقیقت کا بلیک آؤٹ کیا
جاتا ہے بلکہ اس کا نشان تک غائب کرنے کا شعوری اہتمام بھی ہوتا ہے۔۔۔۔شاعری

کی بندش ٹکے موضوعات، زبان کے روایتی استعمال اور عروضی جبریت کو مسلمہ اور ناقابل تغیر کہنا اور فنی روایات کو آمنا و صدقنا قبول کرنا عینیت پرست فکر کا ہی شاخسانہ ہے۔"(10)

سعادت سعید کی شاعری سے آگاہ ہونے کے لیے ان کے ان تصورات و خیالات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جو اس کی تہوں سے برآمد ہوتے ہیں۔ باہر سے منطبق کیے جانے والے تصورات کسی فن پارے کی حقیقی توجیہہ سے قاصر رہتے ہیں۔ ان کی علامتی و استعاراتی نظمیں تعبیراتی وسعتوں کی امین ہیں۔ ایک نظم کی متعدد تعبیریں ہوتے ہوئے بھی سعادت سعید کی اپروچ مزاحمتی اور انقلابی آشوب سے عبارت دکھائی دیتی ہے۔ سعادت سعید کی نظموں کا مفہوماتی دائرہ وجودی مارکسی دائرہ ہے جس کے اندر سے ساختیاتی، مابعد ساختیاتی، ڈی کنسٹرکشن، نسائیت اور نوآبادیاتی تفہیم کے رنگارنگ دروازے کھلتے بند ہوتے محسوس ہوتے ہیں۔ سعادت سعید وسیع المطالعہ شاعر ہیں انہوں نے اپنے دور کے فلسفے، نفسیات، بشریات عمرانیات، تارخیات، طبیعات، حیاتیات، فلکیات اور کئی دیگر علمی پہلوؤں کا مطالعاتی احاطہ کیا ہے۔ یہ عملی محیط ان کی نظموں میں جا بجا جھلکتا ہے۔

سعادت سعید کے تاحال چھے نظمیہ مجموعے کجلی بن، فنون آشوب، بانسری چپ ہے، شناخت، من ہرن، الحان کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ ان سب مجموعوں میں ان کی مظہریاتی اپروچ نمایاں ہے۔ اس اپروچ کے حوالے سے اظہر غوری نے ان کے شعری مجموعے "کجلی بن" کا فلیپ لکھتے ہوئے ان کے جن رجحانات کا تذکرہ کیا تھا ان کی شاعری مرور زماں کے ساتھ ساتھ ان حدوں سے پار نکل کر مظہریاتی دائرے میں آگئی ہے۔

سعادت سعید نے پابند، معرا، آزاد اور نثری شاعری کی ہے۔ ابتدا میں انہوں نے میراجی کی تقلید میں گیت لکھے۔ راشد کے زیر اثر سانیٹ معرا اور آزاد نظمیں لکھیں۔ پھر ان آزاد نظموں کے ساتھ ساتھ ستر کی دہائی میں نثری نظمیں بھی تخلیق کیں۔ ان کی ابتدائی نظموں میں بھی امیجری کی تازگی موجود تھی۔ بارہویں جماعت میں لکھا ہوئے ان کے سانٹ "گناہ میں دودھیا سینہ "، "اجنبی سانسوں کی آگ "، " سیمیں جسم تھا اور وقت کی دراز باہیں"، "رقص گاہ زندگی"، "وقت کی ہلکی سریں"، " خون میں لتھڑی جھاگ"، "چہکتی زندگی کی ساحری"، "جیسی امیجری "موجود ہے۔ معری نظم "اقبال کی تربت پر میں"، " تربت شوق" ، "اشکوں کے سلگتے موتی"، "روایات کی اڑتی ہوئی دھول"، "زہر میں ڈوبی فضا"، "پاؤں میں زنجیریں"، " سلے ہونٹ " آنکھوں کی تمازت "، "محکومی کی تیرہ راتیں"، " مرمریں جسم "، "سیاہ فام ضمیر "، "روحوں کی بوجھل تربت "، "موت کی تیرہ راتیں"، "خوش رنگ سویرا

"،"سسکتے ہوئے لمحوں کے فسوں" جیسی تمثالیں ان کے تازہ لہجے کی خبر دیتی ہیں۔ سعادت سعید کی ابتدائی نظموں میں ایک نظم "نوحہ" کی محرکات دیکھیں:" شبنم کی پھوار"،" میچ لیتا ہے ہر اک چپکے سے تارا آنکھیں"،"جھومتے پودے"،"زندگی جھوم کے کرنوں میں بدل جاتی ہے"،" آسمان کے نیلگوں رازوں کی اس کتھا"،"خشک آنکھوں میں نوحے"،"لمحوں کی لحد"،" انگڑائی میں حسرت کے فسانے"،"بدن کا تسبیح کے دانوں کی طرح ٹوٹ گرنا"،"میں تو اس لمحے کا نوحہ ہوں مجھے سوچو تو!"(11)

ان کی امیجری بھی قابل ذکر ہے "نرم کونپل کا چومنا" ، ادھوری شکلیں" اور میٹھی بجھارتیں قابل ذکر ہیں۔ رسالہ ساہیوال میں سال اول میں ان کی نظم سفر اور سال چہارم میں بجھارت شائع ہوئی تھی۔ کدورتوں کے نشان' '،' عدم کے رستے کی کبریائی' '،'گہرے غار' ' ہلاکت کا خلا' ' ،"بسیط راتیں ۴۲۳اخواب آور فضا"،' ' جاگا اندھیرا' ' ،عدم کی اداس آنکھوں کی اُمنڈی کالک' ' ،' ' چیزوں کا بدن کے رونگٹوں کی طرح جدا ہو کر ملنا' ' ،عدم جسم ہے' ' ،ایشیا کا بحر یہ نظم بھی ان کی باقی نظموں کی طرح امید کے نوٹ پر ختم ہوتی ہے۔

کجلی بن(1998ء):

کجلی بن کا مطلب جنگل جس میں ہاتھی ہوں، یہ استعاراتی نام ہے۔ سعادت سعید نے اس مجموعے کا نام بھی کجلی بن رکھا جو کہ اس میں موجود ظم کجلی بن کے عین مطابق ہے۔ عہد جدید میں انسانی صورت حال لامعنویت، تشویش کشمکش، انتشار اور بے چینی کے رویوں سے معمور ہے۔ فرد کشتنہ تنہائی ہے۔ جلاوطنی کی زندگی گزار رہے۔ مایوی، خوف، خطرہ، اندیشہ، تشکیک اور بے سروپائی کے رویے اس کے اعصاب متزلزل کر رہے ہیں۔ اس کی انسانی آزادی مختلف قسم کے جابر نظاموں کی بھینٹ چڑھ چکی ہے۔ سیاسی، معاشی اور اخلاقی جبریت کے نتیجے میں جنم لینے والے معروضی اور موضوعی ظلم و تشدد، ہوں زر، اقتدار کی جنگ، فرسودہ روایات، معاندانہ تعصبات اور بے کار توہمات کی چکی میں انسانی وجود تو کیا، جوہر آزادی بھی پس چکا ہے۔

کجلی بن میں مندرجہ ذیل نظمیں شامل ہیں: "کتاب عذاب کا سرورق مسلخ مسلخ نیلامی ہے"،"عروس شمعیں" ،"تاریخ خوشیاں بانٹے گی" ،" ایک طوفان کی حکایت"،" خیاط دہشت"، "آنسو کون کہے"،" آگ چھپائے پھرتے ہیں"،" قلب مانیت"،" اسے سب نے دیکھا" ،" خود جو موج خیال"،"شیشہ خانے کرچی کرچی"،" حوصلہ جینے کی اسطور" جنازے"،"قفس" ،" ہوامیری آواز"،" تابوت میں بند حواس"،" از دام وود ملوک کب تلک یہ تماشہ"،"بے گوش خود کلامی ہم کلامی" ،" جھینگرو! آو"،"آئینہ خواب گراں" ،" فقت موت

ہی میری تقدیر ہے" ،" یہ بے خواب "،" یہ کیسے قحط پڑے "،" کجلی بن"،" مخطوطہ"،" اب کھیتی فصل سے ڈرتی ہے"،" واپسی ممکن نہیں"،"چنگل ادبار"،" عمر اپیلیں کرتے گزری" ،"شورہ زار گنگ میں"،" راکھ کے کتبے پھر تماثیلی طلا"،" نئے عہد کا پورٹریٹ"،" ہیں خواب میں ہنوز"،"آغاز بہار کی ایک نظم"،"مٹی میں غروب طلوع تو ہوں" ،" منزلیں دور نہیں"،" اے مرے ساتھی"،" الٹی سمت بلاتی ہے"،" بنجر امکانات کی تزئین" ،" بانی بانی ناگ ہوا" ،" میں جوہر کا امکاں"،"اظہار کی چادروں پہ"،" اے مفرور کنوارے آفریاد تو کر! "،" بول میری مچھلی" ،"شطرنجی کی بازگشت"۔[12]

سعادت سعید نے مجموعی طور پر اپنی شاعری کو سیاسی نعرے بازی سے پاک رکھا ہے۔ تاہم اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ یہ معاشرتی شعور سے بے بہرہ ہے۔ ان کے یہاں ظلم اور جبر کا کرب بھی ہے اور اس کے خلاف آواز بھی۔ ہاتھی اور فیل کے الفاظ اس کے یہاں اور کئی معنوں میں استعمال ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرتی جبر کے خلاف احتجاج کی شکل میں بھی آمنے سامنے آتے ہیں اور یہ بھی واضح رہے کہ معاشرتی اور نوع انسانی کی اس ساری تشکیک اور بے سروسامانی کے باجود جو ہر امید کو مرنے نہیں دیتا۔ اپنے پہلے مجموعہ " کجلی بن " کے مقدمہ " آزادی اور ذمہ داری کی شعریات " میں وہ نئے استعاروں ،علامتوں اور تراکیب کی تخلیق کو شناختِ ذات کے لئے ناگزیر مرحلہ گردانتے ہیں۔ ان کے مطابق استعارے اور علامتیں شاعر کے تخلیقی اور ذہنی وجود کو بنیادوں پر یکجا کرتے ہیں۔ اور بدلتی ہوئی فکری، تاریخی، زمانی و مکانی صورت حال نئ حقیقتوں کا احاطہ کرتی ہے۔ تغیرات سے علامتیں اور استعارے بھی بدلتے ہیں اور ان سے وابستہ ملحق معنی بھی بدلتے چلے جاتے ہیں۔ بدلتی ہوئی صورت حال میں استعاراتی اور علاماتی نظم گو شعرا بھی مسلسل زبان کا دائرہ وسیع کرتے چلے جاتے ہیں-[13]

سعادت سعید کے ہاں "فرد"اپنے وجود کی معنویت پر سوال اٹھاتا نظر آتا ہے۔ یہ ایساوجود ہے جس کے لئے زندگی اور موت کا تجربہ بے حد ذاتی ہے۔ شاعر اگرچہ عمرانی دائرے سے آگے نکل کر مغائرت اور بیگانگی سے نجات چاہتا ہے۔ اور پھر موت کی کشش اور جائے پناہ میں سانس لیتا ہے۔ وہ فرد اجتماع کے اثباتی مزاج سے منقل ہو کر تشکیک اور عدم یقین کا شکار ہے۔ ن-م راشد نے سعادت سعید کے ایک سوال کے جواب میں فرد کو اجتماعی دیوانگی سے دوچار کرنے والے صنعتی وسائنسی دور میں شناخت کے بحران کا تجزیہ یوں کیا ہے کہ "سائنسی معاشرے نے فرد کی ذات پر جو ضرب لگائی تھی یا اس کی شکست وریخت کا جواز پیدا کر دیا تھا، یہ اس کا رد عمل ہے کہ ہمارے زمانے کے فلسفیوں اور ماہر نفسیات نے فرد کی ذات کی اہمیت پر دوبارہ زور دینا شروع کر دیا"۔ انسانی صورت حال کی

مایوس کن لایعنیت نے تخلیقی اور تخلیقی عمل کو وجودیاتی مسئلہ بنادیا۔ سائنس ٹیکنالوجی، مصنوعی ذہانت (آرٹیفیشل انٹلیجنس)اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے بل بوتے بالادستی نے دفاعی اور جنگی دوڑ، تباہ کن ہتھیاروں کے تبادلے سے اقوام کے بنتے بگڑتے منظر نامہ میں کئی جہات کا اضافہ کر دیا ہے۔ جس میں انسان بطور فرقہ الگ تھلگ کٹ کر معدوم رہ گیا ہے۔

"لاشیں کہ جن کے قدموں تلے کہکشائیں تھیں
ان کے دھڑوں کو آروں سے کٹوادیا گیا
لاشین کہ آبروؤں کے جو بادیان تھیں
وہیلوں کے پیٹ میں انہیں پہنچادیا گیا۔" (14)

کجلی بن کی شاعری انسانی معاشرے کے باطن کے اسی المیہ کا سچا اور دوٹوک بیانیہ ہے اور اس کی ہر نظم میں اس انسانی المیہ کی تجسیم اتنے موثر اور فنکارانہ انداز میں کی گئی ہے کہ اس کی کم و بیش ہر نظم بالخصوص اس کی مرکزی نظم " ققنس" اردو کی بلند پایہ شعری تخلیقات میں ایک لازوال شعری معجزہ کادرجہ اختیار کر گئی ہے۔

میرے ققنسا، میرے ققنسا
وہ جولاوا تیرے دہن میں تھا
وہ جو پارا تیرے بدن میں تھا
وہ جو آگ تیرے پروں میں تھی
اسے کون قافلے لے گئے
اسے کون قافلے لے گئے
تیرے حلق میں
وہ صفیر خواب عظیم تھی (15)

اس نظم کی لفظیات، موسیقیت روانی اور اس کے اندر پوشیدہ ایک جہان معنی اسے ایک بے مثل نظم کا درجہ عطا کرتے ہیں اور بلاشبہ اسے ہم میراجی، ن۔م۔ راشد اور افتخار جالب کی نئی نظم کی روایت کو آگے بڑھانے کا قابل ستائش عمل قرار دے سکتے ہیں۔

فنون آشوب(2002ء) :

فنون آشوب، فی الاصل اس آگ کے گم ہو جانے کی کتھا ہے جو بقول سعادت سعید شاعری، مصوری، رقص، موسیقی، سنگ تراشی اور خطاطی و دیگر فنون میں " دل تپش انگیز " کے حامل فنکاروں کا حصہ تھی۔ وہ عصری تقاضوں سے باخبر تھے۔ وجود سے امکان تک کے سفر سے آشنا تھے۔ اظہار کی بلندیوں سے ہمکنار تھے۔ حوصلے اور جرات کے نقیب تھے۔ میز اور توانا جذبات سے معمور تھے۔ ندرت، تنوع اور بقلمونی کے خصائص رکھتے تھے۔ فنی نفاستوں، نزاکتوں اور خوب صورتیوں کا لحاظ رکھتے تھے۔(16)

سعادت سعید کے بقول:

"یہ طویل نظم بنیادی طور پر ان رجحانات کی نفی تک محدود ہے جنہیں پیش پا سے - افتادہ، تقلیدی، نقلیاتی، گداگرانہ، مانگے تانگے یا لنڈے کے رجحانات کہا جا تا ہے۔"(17)

" فنون آشوب" میں شامل نظم "سنگ تراشی" میں موجود کردار عصری تقاضوں اور اقداروں سے مکمل طور پر باخبر نظر آتے ہیں جو اظہار کی بلندیوں سے ہمکنار ہیں اور ان کے جذبات توانا اور حوصلے جرات مندانہ نظر آتے ہیں وہ تمام نزاکتوں اور خوب صورتیوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اشیا مناظر اور راستوں کو اپنے رنگ میں رنگتے ہیں وہ سراپا آگ ہیں اوراس آگ کے الاؤ سے دنیا کو نئی روشنی مہیا کرتے ہیں اور اپنے فن کے حوالے سے بیداری کی لہریں پیدا کرنے کی صلاحیتیں رکھتے تھے یہ تمام کردار آمریت شکن اور بت شکن ہیں۔ وہ تمام کردار ہدف تنقید ہیں جنہوں نے آرام طلب بادشاہوں کے دلی تشکیل کے لیے اپنے ضمیر داؤ پر لگا رہے ہیں۔ جو عوامی پستیوں اور ذلتوں کو برہنہ آنکھ سے دیکھ کر بھی خاموشی کے ساتھ لحافوں میں دبے رہے اور عام انسان کی کہنے سے عاجز رہے جو اپنے آپ سے، انساں اور ماحول سے بچھڑے رہنے۔ "سنگ تراشی" نظم کا کمال یہ ہے کہ اس میں بیان کیے جانے والے منظر، چہرے، جسم اصلیت اور حقیقت کا پرتو ہے یہی وجہ ہے کہ سنگ تراش نے جن پتھروں کو تراش خراش کیا ہے وہ بھی سماج میں بسنے والے بے بس اور غریب عوام کی کہانیاں کہنے سے قاصر ہے۔

"نظم سنگ تراش
زلزلے کشفِ مقدر ہیں
ایسے دستور ہیں
مست منصور ہیں

سرمدِ سرمدی ہاتھ پاَر
کاسئہ سر لیے چیختارہ گیا" (18)

فنون آشوب" نظم مصوری"میں شاعر کرداروں کے ذریعے ضمیر کا اظہار اور وجود کے حقیقی خیالات کو پیش کرنے والے فنکار بلند و بالا پتھریلے قلعوں میں پرورش پانے والے جذبات کی داستانیں سناتے نظر آتے ہیں۔ انسان کی مفلسی، بھوک بیماری، ناداری مسلسل موجود رہی۔ مصور آقائیت کش، جاگیر دار مخالف کوئی شہکار تخلیق نہ کر سکے اگر ہمارے مصور تازہ افکار سے تخلیق کاری کرے تو عظمت انسان کے تصورات سے پہلو تہی نہ کر پاتے۔ دراصل مصوری رنگوں لکیروں میں آزاد اور کشادہ جذبوں کا اظہار ناگزیر ہے۔

بانسری چپ ہے(2002ء):

بانسری چپ ہے سعادت سعید کا تیسرا شعری مجموعہ ہے۔ اس میں پینتیس نظمیں شائع ہوئی ہیں۔ ان کے عنوانات ہیں: " فراق"، " شخصیت پرستی"، " وہ میرا آشنا"، " برنگ قیس"، " یہ کس نے کہا" ، " بارشوں کے موسم میں " ، " زندگی کا جام پہیہ"، " نارسائی "، " داستان امیر حمزہ" ، " تصویر"، " نام ہی سے لوگ کہتے ہیں کہ "، " عقائد پرستی"، " ذہن کے کینوس"، " اٹھ گیا سینہ کیتی سے" ، "بانسری چپ ہے "، " ماضی سے ہمیں لینا کیا ہے"، " شکست"، " غنچہ شوق " ، " ایک رات"، " چابی "، " میرا مقدر رافادا ندھیر"، "پورا چاند"، " بچی"، " آنکھیں "، " ہمزاد "، " مشورہ"، "ہمیشہ ہوائیں جیتی رہیں گی"، "مرنا تمہارا مقدر ہے " ، " اک خواب کہ جس کا انت نہیں" ، " خواہش کی معصومی" ، " مسافر"، " سبز شطرنجی" ۔(19)

اس مجموعے میں سامراجی جبر، پاکستان کی سیاست، معیشت، ثقافت کے حوالوں کے ساتھ ساتھ اپنی ذات سے متعلقہ امور، فراق کا کرب، زندگی کے تلخ حقائق، انسانی تعلی اور ذاتی نمائش کے لیے اوچھے حربوں کا استعمال کی نسبت سے بھی نظمیں موجود ہیں۔ نظم " یہ کس نے کہا" انسان کی ظلم و بربریت کی عکاسی کرتی ہے کہ انسان بہت ظالم ہے۔ سعادت سعید نے مجموعی طور پر اپنی شاعری کو سیاسی نعرے بازی سے پاک رکھا ہے۔ سعادت سعید اپنی نظم "اندھیرا" میں اس روشنی کے متلاشی ہیں جو انسان کو عصر حاضر کے آشوبوں اور عذابوں سے باہر لے آئے، وہ کہتے ہیں کہ ان کی زندگی لالہ و گل کے نوکے میں خوابیدہ ادراک ہستی کے ساگر میں بہنے لگی ہے۔ ان کے رونگٹے روشنی میں نہائے ہوئے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ انسان کی توہم بھری پتلیوں میں سرایت اندھیرا ختم ہوا اور وہ دہر کے سات رنگی سمندر میں غوطہ زن ہو سکے۔ بعض اوقات کسی شعر، نثرپارے یا فلسفیانہ مضمون کی روح تک رسائی کے

لیے بیان کی ساخت کو رد تشکیل کی ضرورت ہوتی ہے مگر میں سعادت سعید کے اس کمال کی طرف اشارہ کرتی چلوں کہ انہوں نے اپنی نظم " آنکھیں " کو اس طرح سے عنوان کر کے قاری کی مشکل بہت آسان کر دی ہے۔ اس نظم میں انسان رویوں کو روح کی پہچان کا آئینہ دکھایا گیا ہے۔ ان کی بہت سی نظموں کی طرح یہ نظم بھی فکری گہرائی اور جذبے کی شدت سے گرما گرم یا شاید مالا مال ہے۔ ان کی ایک اور نظم " آنکھیں " میں یہ بیان کرتے ہیں۔ کہ کبھی ا نسان کی آنکھیں منور تھیں، سوچوں کی کاری تگ و دو اور خرابوں کے طوق الم سے معرا تھیں مگر پے در پے انسانی شکست کے ستاروں کی باراتوں نے انسان کی بصارت اور بصیرت سلب کر لی ہے۔ نئے بصارت کے سورج کا متلاشی ہونا ہے۔ سعادت سعید اپنی ایک نظم "ایک رات" میں اپنے رائیگاں سفر کی داستان بیان کرتے ہیں۔ "بانسری چپ ہے" مجموعے کے طویل اور مختصر نظموں میں بھی سعادت سعید نے اس انجماد کو توڑنے کی کوشش کی ہے۔

سعادت سعید کا مزاج رومانوی بھی ہے یہ ان کا ساتھ نہیں چھوڑتی یوں تو کہنے کو سعادت سعید نے رومانیت کے رشتوں سے اپنا دامن آگے چل کر چھوڑ الیا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے یہاں رومانویت کے عناصر ان کے ہاں ہمیشہ کار فرما رہے ہیں وہ جہاں کہیں بھی رومان اور حقیقت کے سنگم پر کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہاں ان کا جھکاؤ فطری طور پر رومانویت کی طرف ہوتا ہے ان کے ابتدائی شاعری میں یہ عناصر عشقیہ جذبات ہی تک محدود رہے لیکن آگے چل کر ان میں وسعت اور تنوع پیدا ہوتا گیا ان کی رومانوی شاعری میں جذبات کا خلوص کروٹیں لیتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ پرانا ہونے کے باوجود ان میں ایک نئے پن کا احساس ہوتا ہے شاعر کے جذبات ہمیں اپنے جذبات محسوس ہونے لگتے ہیں اور ان کے تجربات ہمیں اپنے تجربات ہونے لگتے ہیں اگر رومانوی شاعری میں خلوص کی گہرائی ہو اور اس کے ساتھ ساتھ انسانی لہجے کی گھلاوٹ بھی ہو تو وہ سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔

"ان آنکھوں کے تبسم
اور لہجے کے ترنم
میں یہی مستور تھا
منقلب گھڑیاں نہیں ہوں گی
نہ جیتے جی ہمارے روگ بدلیں گے کبھی
کون اس لمحے کے دل کو

چیر کر دیکھے
کہ کالی کھائیوں میں
اس کے ریزوں کے لئے
جائے پیتہ کوئی نہ تھی! "[20] (نظم فراق)

سعادت سعید شخصیت پرستی اور اندھی تقلید کے سخت مخالف ہیں۔ کچھ نام نہاد عالم سادہ لوح مسلمانوں کو خاص کر دیہات میں رہنے والے ان پڑھ لوگ ان کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں اور پھر یہ پیر ان لوگوں کا مذہبی، اقتصادی اور سیاسی استحصال کرتے ہیں۔ اور دوسرے فرقوں کے متعلق ہوا کو تیز کرتے ہیں اور وہ صرف اپنے گروہ کو اسلام میں زیادہ تر معتبر سمجھتے ہیں اور باقی تمام فرقوں کو جہنمی یا دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں۔ اس طرح معاشرے میں فرقہ واریت سے فسادات جنم لیتے ہیں۔ جن کی وجہ سے قتل غارت اور خون ریزی ہوتی ہے کیونکہ بات گالی سے گولی تک کا سفر کرتی ہے۔ اور پھر بم بارود تک پہنچ جاتی ہے۔

"مجھ کو شخصیت پرستی کا جنون
بوسئہ نقش خیال مرشد اں
لے گیا ذاتی وقار
میرے مرشد
قابل نفرت بھی ہیں قابل تعزیر بھی
میں نے ان کو دیوتا جانا
ڈھونڈنے میں مجھ کو اپنے راستے
اپنے مکتب کے لئے
اپنے ڈھب کے قاعدے
اپنے رجحانات سے لے کر شعور
توڑنا ہے مرشدوں کا ہر غرور" [21] (نظم شخصیت پرستی)

شناخت(2007ء):

یہ سعادت سعید کا چوتھا شعری مجموعہ ہے۔اس میں ان کی نثری نظمیں شائع ہوئی ہیں۔اس مجموعے کی اکثر نظمیں سعادت سعید کے ستر کی دہائی میں کی گئی شاعری سے تعلق رکھتی ہیں۔اس دور میں انہوں ان نظموں کو مجموعے کی صورت اس لیے نہیں چھپوایا کہ وہ چاہتے تھے کہ ان کی آزاد نظموں کے مجموعے پہلے شائع ہو جائیں۔شاید ان کے ذہن میں یہ خیال پرورش پا رہا تھا کہ نثری نظم کو شاعری کی حدود سے خارج کیا گیا ہے۔تاہم وہ اسے شاعری کے دائرے میں شامل سمجھتے ہیں۔اس لیے ان میں سے بعض نظمیں مختلف انتخابوں اور رسالوں میں شائع ہوئی تھیں۔مگر سعادت سعید نے انہیں دو ہزار سات میں شائع کرنا پسند کیا۔" رموز مملکت خویش شاعراں دانند" ۔سعادت سعید کا کہنا ہے کہ:

"انہوں نے نظمیں اس دور میں لکھیں کہ جب ابھی لاہور میں نثری نظم کو زیادہ پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا"۔[22]

ڈاکٹر نسیمہ رحمان کا کہنا ہے:

"اس شعری مجموعے میں موجود نثری نظموں میں جہاں علامتیں اور استعارے روایتی جذبوں اور مروجہ الفاظ کو نئے معنی سے ہمکنار کرتی ہیں وہیں یہ علامتیں اور استعارے فرد کی معروضی صورت حال، سیاست کے جدید تناظر اور بین الاقوامی سطح پر موجود ارباب اختیار کے مختلف النوع معاشی و تمدنی احکام و احوال کی منافقت کی قلعی کھولتی ہیں"۔[22]

نئی نظم کے حوالے سے ۱۹۶۰ کی دہائی میں شروع ہونے والی تحریک نئی لسانی تشکیلات کا ذکر ہو تو معاجو نام ہمارے ذہن میں آتے ہیں ان میں ڈاکٹر سعادت سعید کا نام سر فہرست ہے۔نئی نظم کے اس پلیٹ فارم کے نمائندہ ڈاکٹر سعادت سعید نے جو کام کیا وہ اپنی جگہ قابل قدر ہے۔انھوں نے علامات اور اشارات کے ذریعے اپنے خیالات کا اظہار اس خوب صورت انداز سے کیا ہے کہ خیالات کا ترنم قائم کر رہتا ہے۔"شناخت" کے عنوان سے چھپنے والی ان کی نظمیں سرمایہ دارانہ ماحول میں انسان کی کاروباری اور جبریت پسند فطرت کا پول کھولتی ہیں۔اس مجموعے میں ذیل کی چالیس نظمیں شامل ہیں۔"شناخت" کے عنوان سے ڈاکٹر سعادت سعید کی نثری نظموں کی کتاب ہے جیسے سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور نے ۲۰۱۷ء میں شائع کیا ہے۔نثری نظم شعری آہنگ، وزن اور محور کی پابندی سے آزاد ہوتی ہے۔نثر اور نظم دو مختلف تصورات ہیں۔یہ اپنی شکل اور مخصوص مزاج کی وجہ سے ادب کی دو الگ شکلیں

ہیں۔ شاعری میں وزن قافیہ، ردیف، بحر وغیرہ ضروری ہوتا ہے۔ اور نثر میں ان لوازمات کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ جو تحریر شاعری ہو، نثر نہیں ہوتی اور جو تحریر نثر ہو، شاعری نہیں ہو سکتی۔ یہ دونوں تکلیف ایک دوسرے کے متضاد کے طور پر سمجھی جاتی ہیں۔ اس لیے بعض ناقدین نے اسے نظم منشور یا نثر لطیف کا نام بھی دیا ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا تو نثری نظم کو وزن کی عدم موجودگی کی وجہ سے شاعری ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں۔ فرائیڈین تحلیل نفسی (Freudian Psycho-analysis) کے پیروکاروں کے خیالات کو اپناتے ہوئے نثری نظم نگار بھی سوچتے ہیں کہ علامات اور اشارات انسانی خیالات کی نہایت واضح اور خوب صورت شکلیں ہیں شاعری گیری اور پر کشش موسیقی کو شعور سطح پر لا سکتے ہیں۔

شاعری میں وزن کے تمام لوازمات، قواضی اور ردیف کا خیال رکھنا لازمی ہے؟ نثری نظم نگار ان پابندیوں کی پرواہ نہیں کرتے لیکن قواضی موسیقیت اور خیالات کے ترنم کے مطابق ہوں تو وہ اس سے صرف نظر بھی نہیں کرتے۔ مثلاً "نظم تیل کے سمندروں کی۔۔۔" دیکھیئے:

"کرنوں کی مانند طلوع ہوتی آنکھیں
نامرادی کے تاسف سے بند ہو گی ہیں
اجنبی پرندے نے گھونسلے بنا لیے ہیں
جسموں، گھرندوں اور بستیوں میں
جاگتے طوفان سلا دیئے گئے ہیں
اخبار کے اداریے اور نئے فلسفے
خیر سگالی کے جذبات کے عکاس ہیں۔" [24] (نظم تیل کے سمندروں کی)

آبی آلودگی ہمارے معاشرے کا سنگین مسئلہ ہے صنعتی فیکٹریاں اپنے گندے مادے ملے پانی کو ندی نالوں میں چھوڑ دیتے ہیں اور پھر یہ پانی آبی جانوروں کی موت کا سبب بن جاتا ہے اس کے علاوہ جب یہ پانی کھیتوں میں فصلوں کو لگایا جاتا ہے تو اجناس اور ترکاریوں میں یہ جراثیم منتقل ہو جاتے ہیں اور انسانی صحت کے خطرناک ثابت ہوتے ہیں:

"نظم ہم سورج کی مانند دیکھیں
ہمیں اطمینان ہے کہ
تیزاب ہماری کھیتیاں نہیں جھلساتا
ہمارے دریاؤں اور ندیوں میں بہتا تیزاب ہمارے شکم چھلنی نہیں کرتا" (25)

جب طبقہ حکمران طاقت کے نشے میں مبتلا ہوتے ہیں تو ان کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ زمین کے ساتھ ساتھ آسمان کا کنٹرول بھی ان کی گرفت میں ہو یعنی فرعونیت کی انتہاء ہو جاتے ہیں جب یہ ظالم حکمران آسمانی نظام اپنے ہاتھ میں لینے کی ناکام کوشش کوتے دکھائی دیتے ہیں۔ نظم "زمین کی تیزابی مٹی" سے مثال دیکھیے:

"وہ تو آسمانوں، سیاروں، ستاروں کے
باشندے ہیں
زمین کے حکمران ہیں
آسمان کی حکمرانی سے
محروم ہیں" (26)

سعادت سعید کی نظموں میں لفظیات اور صوتیات کا گہرا شعور ملتا ہے۔ وہ اندرونی و خارجی قوافی (ہم صورت الفاظ) اور دیگر لفظی محسنات کے استعمال سے اپنا خاص اسلوب تشکیل دیتے ہیں۔

الحان(2017ء):

سعادت سعید نے اپنے مجموعہ "الحان"(ناشر: مکتبہ نسیم) کو "صوتی شاعری" کے عنوان سے شائع کیا۔ وہ وجود کے اندرونی "الحان" پہ زور دیتے ہیں۔ اور اس کے مطابق مجرد آوازیں بھی بامعنی ہوتی ہیں۔ یہ مجرد آوازیں دراصل بے حد شخصی، داخلی اور تحریری رنگ لیے ہوتی ہیں جن کے معنی کشائی کے لئے شعور بنیادی ذریعہ ہے۔ اگر کسی شاعر کی تخلیق اس انفرادی صلاحیت سے محروم ہے تو وہ شناخت سے محروم ہے جس کے لئے ہونا یا نہ ہونا مساوی ہو جاتے ہیں۔ سعادت سعید کی صوتی شاعری کا ایک شاندار اظہار خوبصورت نظم "متواتر تار" میں ہوتا ہے۔ جس میں کئی منظر، مختلف کیفیات، متنوع مظاہر ایک مسلسل ردہم اور غیر مختتم فطری بہاؤ میں بہتے چلے جاتے ہیں۔ اس نظم سے کچھ سطریں:

"تماب آہنگ بطون مون سون

مساعقہ سرخوش وساوس کور گام
مندرج دیکھا کشادہ صورتیں
مجرمات و معذرات![27]

"الحان" میں موجود نظموں میں "مسافرت کے ہجوم" ، "موت میں منقلب ہوتی تمنا کے آخری نقش"، "وجود کا امکان"، "پرانی قبروں کے نئے کتبے"، "اپنی معدومی کا دکھ"، "امانت"، "اثبات" کے ہجرت کدوں میں نفی کا گیت پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس مجموعے کا مطالعہ کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ کوئی دمکتا نغمہ، گیت، کوئی حقیقی مسرت میں ڈوبی ہوئی آواز، کسی آدرش کے زیر اثر بنائی گئی جنت کے وجود کا احساس دلاتی ہے۔ جہاں سب کچھ موجود لیکن معدوم ہے۔ ہجر و فراق، ناآسودگی تلخئ حیات اور بے اعتبار کیفیات روح کے گھاؤ کو اتنا گہرا کر دیتے ہیں کہ خود فراموشی در آتی ہے۔

من ہرن(2017ء):

"من ہرن "سعادت سعید کا پانچواں شعری مجموعہ ہے۔ یہ پہلی بار مکتبہ نسیم سے شائع ہوا بعد ازاں سعادت سعید کے باقی چار مجموعوں کی طرح اس کا بھی دوسرا ایڈیشن سنگ میل لاہور نے شائع کیا۔ یہ مجموعہ مشینی اور تکنیکی اجارہ داری کی وجہ سے بے روزگار ہوتے انسانوں کے نام معنون ہے۔ سعادت سعید کی شعری مجموعے "من ہرن"کی نظمیں غم جاناں سے غم دوراں کے درمیان ان کے سفر کی فکرو کیفیاتی روداد کی مظہر ہیں۔ ان میں انسانی تعلقات کی مصدقہ جہت کو بنیاد بنا کر شاعر نے انسان اور معاصر زندگی کو سمجھنے کا اہتمام کیا ہے۔ اس مجموعے میں شامل بیالیس نظموں کے عناوین ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

"من ہرن "خارجی حسیات کا ایسا جل کہ انسان ڈوبا ہی چلا جائے، عذابوں کا نوحہ جب لہجے کی بکھری آتش سے نمودار ہو تو عہد حاضر کا انسان خفتہ جسموں کے ساتھ ایسے نظاموں کے اندر مقید کر دیا جاتا ہے کہ سعادت سعید جیسے انسان کا قلم لہو بکھیر دیتا ہے اور ان کا نوحہ تاریخی مدوجزر کا حصہ نظر آتا ہے۔ وہ چلاتا ہے اپنی نظموں میں ،اپنے نوحوں میں،وہ اس بات کی مسلسل تکرار کرتا ہے کہ شعری مفروضوں کے دکھ، دکھ نہیں ہوتے۔ وہ کہتا ہے "لفظ زندہ حقیقتیں ہیں"۔ وہ امیجری کے ایسے تصور خلق کرتا ہے کہ انسانی کیفیات تجرید اور علامتوں کی صورت شعر میں ڈھل جاتی ہیں۔ شاعر کا شعری استغراق اگر عام روش سے ہٹ کر نئے شعری رشتوں پر حاوی ہوتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ الفاظ کی لفظی مصوری نئی معنوں کو تفہیم دے رہی ہے اور وہ معنوی وسعت کی حامل شاعری ہے۔

حسی امتزاج کی نظمیں در حقیقت اسی معنوی وسعت کا ثبوت ہیں۔ "خفتہ جسموں میں جاگتی شریانیں" نظم سے مثال ملاحظہ کیجیے:

"اب اس کے لہجہ میں بکھری صدائے معطر کی
زہریلی آتش سے اٹھتے عذابوں کا نوحہ سناؤ
اے اس کے کہرامی سانسوں کے نقشے دکھا کر کہو
"ہم نے سارے دکھوں کے دریچے مقفل کئے"
فقط ایک روزن کہ مہتاب خون ہے
ابھی تک ہواؤں کے اجڑے مناظر
ہماری رگوں کی فصیلوں میں تازہ کرے" (28)

اپنی اس فلسفیانہ فکری ہم آہنگی کو سعادت سعید نے جس عمدگی سے حسی امتزاج کی نظموں میں بیاں کر دیا ہے وہ اردو ادب میں تازہ ہوا کے جھونکے کی مانند ہے۔ حسی امتزاج پر کہی گئی نظموں کا ایسا حسن پہلے کسی شعری حوالوں میں بہت کم موجود ہے۔ "من ہرن" کی بیالیس نظموں میں انھوں نے لسانی تجربات کرتے ہوئے زبان اور معاشرے کے باہم اشتراک سے اپنے فکری امکانات کو تجسیم کیا ہے، جسے یقیناً ادبی قاری پسند کرے گا۔

ڈاکٹر سعادت سعید عہد حاضر کے بلند پایہ اور وسیع المطالعہ و مشاہدہ شاعر، نقاد اور دانشور ہیں۔ ان کے ہاں مختلف الانواع اور کثیر الجہاتی فکر جلوہ فگن ہے۔ وہ جدید نظم کی روایت پوری چابک دستی کے ساتھ آگے بڑھانے کی خدمت سر انجام دے رہے ہیں۔ وہ پابند و نثری نظم کے مکمل شاعر ہیں۔ ان کے ہاں عالمگیر و آفاقی فکر کا تسلسل موجود ہے جو آج کے نظم گو شعراء میں کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ وہ پامال راہوں سے انحراف کرتے ہوئے اپنی وسیع تر فکر کے ذریعے اپنی شاعری کی بنیادیں استوار کرتے ہیں۔ وہ کسی کی تقلید کرنے کی بجائے انہی تخلیقی صلاحیتوں سے اپنی نظم کا منفرد اور نمایاں، اسلوب اور رنگ قائم کیا ہے۔ انہوں نے معنی آفرینی کا ایک جہان اپنی نظموں میں دکھایا ہے۔ اور فرد کی جذباتی زندگی سے لے کر سماجی زندگی کے جمع پہلوؤں کو ترقی پسندانہ سوچ اور فکر کے ذریعے اپنی نظموں کا موضوع بنایا ہے۔ یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اردو شاعری کے میدان میں ڈاکٹر

سعادت سعید کی نظم گوئی اردو کی ادبی تاریخ کا ایک گراں قدر حصہ بن چکا ہے۔ اردو شاعری کے نتیجہ خیز تہذیبی اور تاریخی مطالعہ میں ان کی امتیازی شناخت قائم ہو چکی ہے۔

حوالہ جات

1۔ عبادت بریلوی، نظم کی ضرورت، مشمولہ:" اوراق "، شمارہ جولائی، اگست ۱۹۷۷ء، (نظم نمبر)، بحوالہ:"اردو نظم، ہیت اور تکنیک" مرتب: خوشحال ناظر، (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۸ء)، ص ۳۶

2۔ وزیر آغا، اردو شاعری کا مزاج، (لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع دوم، ۲۰۱۶ء)، ص ۲۸۵

3۔ ناصر عباس نیر، اردو ادب کی تشکیل جدید، (کراچی: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۶ء)، ص ۵۱

4۔ عقیل احمد صدیقی، جدید اردو نظم: نظریہ و عمل، (ملتان: بیکن بکس، ۲۰۱۴ء)، ص ۲۲

5۔ ایضاً، ص ۱۵

6۔ محمد حسین آزاد، نظم آزاد، (لکھنو: نول کشور، ۱۹۱۰ء)، ص ۱۳۱، بحوالہ: جدید اردو نظم: نظریہ و عمل، از: عقیل احمد صدیقی، ص ۱۶

7۔ الطاف حسین حالی، مجموعہ نظم حالی، (دہلی: مطبع مرتضوی، ۱۸۹۰ء)، بحوالہ: اردو ادب کی تشکیل جدید، از: ناصر عباس نیر، ص ۵۲

8۔ حنیف کیفی، اردو میں نظم معرا اور آزاد نظم، (لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء)، ص ۳۳۳

9۔ خلیل الرحمٰن اعظمی، آزاد شرر کے منظوم ڈرامہ کو بامرلی نظم کہتے، نئی نظم کا سفر، ابتدائیہ، ص ۱۶، بحوالہ: حنیف کیفی، اردو میں نظم معرا اور آزاد نظم، (لاہور، الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء)، ص ۳۳۳۔ گیان چند جین کے مطابق، "شرر کے منظوم ڈرامہ نے آزاد نظم کی داغ بیل ڈالی، (ایضاً، ص ۳۲۱)، عبادت بریلوی کے بقول آزاد نظم کا چراغ شرر کے ہاتھوں روشن ہو چکا تھا۔ "اردو شاعری میں ہئیت کے تجربے"، مشمولہ: ماہنامہ " ساقی"

10۔ سعادت سعید، کجلی بن، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۷ء)، ص ۸۔۹

11- کالج میگزین "ساہیوال"، (منٹگمری: گورنمنٹ کالج، ۱۹۶۳ء)، ص ۶۱

12- سعادت سعید، کجلی بن، ص ۹

13- ایضاً، ص ۱۱

14- ایضاً، ص ۳۵

15- ایضاً، ص ۶۶

16- سعادت سعید، فنون آشوب، (لاہور: مکتبہ ابلاغ، ۲۰۰۲ء)

17- ایضاً، ص ۲۷

18- ایضاً، ص ۲۹

19- سعادت سعید، بانسری چپ ہے، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)

20- ایضاً، ص ۱۴

21- ایضاً، ص ۱۷

22- سعادت سعید، شناخت، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء)

23- اختر حسن، نئی شاعری، مرتبہ: افتخار جالب، ص ۳۷

24- ایضاً، ص ۶۱

25- ایضاً، ص ۳۳

26- ایضاً، ص ۵۰

27- سعادت سعید، الحان، (لاہور: مکتبہ نسیمیہ، ۲۰۱۷ء)، ص ۲۶

28- سعادت سعید، من ہرن، (لاہور: مکتبہ نسیمیہ، ۲۰۱۷ء)، ص ۸۷